ایک غلط فہمی کا ازالہ

ماہنامہ "طلوعِ اسلام" نے ستمبر ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں برہمو سماجی اسلام کے زیرِ عنوان "ثقافت" کے ایک مضمون پر کچھ تنقیدی تاثرات قلمبند کئے ہیں۔ اس مضمون سے جو اقتباسات "طلوعِ اسلام" نے نقل کئے ہیں ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

"اسلام اور اہلِ کتاب کے مذاہب میں بہت کچھ قدرِ مشترک ہے .... خدا کے قائل تمام معقول انسانوں کے نزدیک اقدارِ حیات بہت کچھ مساوی اور ہم آہنگ ہیں، لیکن ہر گروہ ان کو اپنے مذہب اور اپنی مذہبی روایات سے اخذ کرتا ہے۔ اکثر اوقات اصطلاحیں مختلف ہوتی ہیں لیکن معانی میں اختلاف نہیں ہوتا ......"

اس کے بعد "طلوعِ اسلام" کا اعتراض مندرجہ ذیل ہے:

"اگر اخلاقی اقدار اور دین کے اصول ..... تمام مذاہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں اور اختلاف صرف لفظی اصطلاحات کا ہے، معنوی اختلاف کا کوئی نہیں تو پھر اللہ میاں نے اہلِ کتاب کے متعلق یہ کیوں کہہ دیا کہ:

فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا وان تولوا فانما هم في شقاق (۲/۱۳۵)

سو اگر یہ (اہلِ کتاب) اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم (مسلمان) ایمان لائے ہو تو اس صورت میں یہ لوگ راہِ ہدایت پر ہوں گے اور اگر یہ اس راہ سے ہٹ کر کوئی دوسری راہ اختیار کریں گے تو یہ یقیناً (حق کی) مخالفت پر ہوں گے۔

اور ما نزل علی محمد (۴۷/۲) پر ایمان کو اس ایمان کی شرط لازم کیوں قرار دے دیا؟" (صفحہ ۶۶)

یہ صحیح ہے کہ آخری اور مکمل ترین صحیفۂ ہدایت وہی ہے جس کو خدا تعالےٰ نے آں حضرت کے ذریعے دنیا کے انسانوں کے سامنے قرآن کی شکل میں پیش کر دیا لیکن اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے بھی اس تاریخی حیثیت سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام اسی ایک بنیادی نظریۂ حیات کے مختلف مظاہر ہیں جس کے پہلے علمبردار حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے۔ جب کبھی یہودیوں نے اسلام پر اعتراضات کئے تو قرآن نے کئی جگہ حضرت ابراہیم کا نام لے کر انہیں ان کی غلطیوں پر متنبہ کیا:

وقالوا کونوا هودا او نصاری تهتدوا ۔ یہودی کہتے ہیں، یہودی ہو تو راہ راست پاؤ گے۔ عیسائی کہتے ہیں،

قل بل ملة ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین۔ (۲: ۱۳۵)

عیسائی ہو تو ہدایت ملیگی۔ ان سے کہو: نہیں، بلکہ ابراہیم کا طریقہ (ہی صحیح ہے) اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھا۔

یہاں اس چیز کی وضاحت کی گئی ہے کہ اہلِ کتاب نے کچھ اپنی طرف سے چند غلط عقائد ایجاد کرلئے ہیں اور اگرچہ وہ حضرت خلیل کو اپنا پیشوا مانتے ہیں پھر بھی اس کے مسلک سے کنارہ کش ہیں۔ اگر راہِ ہدایت مطلوب ہے تو وہ صرف ابراہیمی طریقے کی پیروی میں حاصل ہوسکتی ہے۔ انسان کے ہدایت یافتہ ہونے کا مدار ان مذہبی خصوصیات پر نہیں ہے جن کی وجہ سے یہ یہودی اور عیسائی وغیرہ مختلف فرقے بنے ہیں بلکہ دراصل اس کا مدار اس عالمگیر صراطِ مستقیم کے اختیار کرنے پر ہے جس سے ہر زمانے میں انسان ہدایت پاتے رہے ہیں۔"

تو گویا بنیادی طور پر یہودیت اور نصرانیت دونوں ابراہیمی ملت کے پیرو ہونے کی حیثیت سے توحید کے قائل ہیں اور اس حیثیت سے ان دونوں میں اور اسلام میں کچھ نہ کچھ قدرِ مشترک ضرور ہے۔

اسی حقیقت کی طرف قرآن کی ایک دوسری آیت بھی اشارہ کرتی ہے جس کا صرف ایک حصہ مضمون زیرِ بحث میں نقل کیا گیا ہے:

قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ۔ (۳: ۶۴)

کہو اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوائے کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔

یہاں خود قرآن یہ دعوے کرتا ہے کہ اہلِ کتاب اور مسلمانوں کے درمیان بہت کچھ قدرِ مشترک ہے۔ لیکن اس قدرِ مشترک کے باوجود یہ بھی صحیح ہے کہ اہلِ کتاب نے اپنے اصلی دین میں بہت کچھ تحریف کررکھی تھی جس کی بنا پر قرآن نے انہیں دعوت دی کہ وہ اپنے اصلی دینِ حنیفی کی طرف لوٹ آئیں مگر اس کے باوجود یہ بات بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ اہلِ کتاب اور مسلمانوں کے بنیادی عقائد میں کافی اشتراک و یکسانیت موجود ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس اشتراک اور یکسانیت کے باوجود قرآن نے اہلِ کتاب کے متعلق یہ کہا کہ اگر ان کا ایمان تمہارے جیسا نہیں ہوگا تو وہ ہدایت یافتہ نہیں ہونگے (۲: ۱۳۵)۔ اس کے مفہوم میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ صاف اور واضح بات صرف اتنی ہے کہ جب تک اہلِ کتاب عقیدۂ توحید میں اسطرح خالص نہیں ہو جاتے جس طرح حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے تعلیم دی تھی تب تک وہ ہدایت نہیں پا سکتے لیکن اگر اہلِ کتاب میں سے کوئی گروہ (خواہ وہ اقلیت ہی میں کیوں نہ ہو) ایسا ہے جو اس خالص توحید کا علمبردار ہے تو اس پر ہدایت اور نجات کا راستہ بند نہیں۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

الذین اٰتینٰھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہٖ اولٰئک یومنون بہٖ۔

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے۔ وہ اس پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں۔

ایک دوسری جگہ زیادہ وضاحت سے اس مفہوم کو ادا کیا گیا ہے:

لیسُوا سواءً من اھل الکتاب امّۃٌ قائمۃ یتلون آیات اللہ آنآء الّیل وھم یسجدون۔ یؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات و اولٰئک من الصلحین۔ وما یفعلوا من خیر فلن یکفروہ واللہ علیم بالمتقین

مگر سارے اہل کتاب یکساں نہیں ہیں، ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راہِ راست پر قائم ہیں، راتوں کو اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں، اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سرگرم رہتے ہیں، یہ صالح لوگ ہیں اور جو نیکی بھی یہ کرینگے اس کی ناقدری نہ کی جائے گی، اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔

اس آخری آیت نے معاملہ کو بالکل واضح کر دیا ہے یعنی اہلِ کتاب کا ایک گروہ متقی ہے، ایماندار ہے، عمل نیک میں سرگرم ہے۔ ایسے لوگوں کے اعمالِ صالحہ کی ناقدری نہیں کی جائے گی یعنی نجات کا دروازہ ان پر بند نہیں ہوگا۔

لیکن مسئلہ کے اس پہلو کو زیرِ بحث لائے بغیر بھی یہ بات عیاں ہے کہ اہلِ کتاب اور مسلمانوں میں اشتراکِ عقاید کا وجود خود قرآن سے ثابت ہے۔

طلوعِ اسلام کی غلط فہمی کا بڑا سبب یہ ہے کہ اس نے اُس تمام پس منظر سے چشم پوشی کر لی ہے جس میں یہ الفاظ کہے گئے تھے۔ وہ پسِ منظر کیا ہے؟ روس کی الحادی اشتراکیت کا کامیابی سے مقابلہ کرنے اور اس کو شکست دینے کے لئے ضروری ہے کہ تمام وہ اقوام اور افراد اکٹھے ہو جائیں جن کا بنیادی عقیدہ خدائے واحد کا اقرار ہو، جو حیات بعد الممات کے قائل ہوں اور جو اپنی اجتماعی زندگی کو دین کی بنیاد پر قائم کرنا چاہتے ہوں۔ اس جہاد میں جو ایک طرف خدا کے منکرین اور دوسری طرف خدا کے حامیوں کے درمیان مدّت سے جاری ہے، یہ کہاں کی دانائی ہوگی کہ ہم اپنے اپنے اختلافات کو (خواہ وہ فروعی ہو یا اہم) اچھالنے اور منظرِ عام پر لانے بیٹھ جائیں۔ مانا کہ اسلام اور عیسائیت میں خدا کی توحید اور تثلیث کے سلسلے میں بنیادی اختلاف ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اسلام کی تعلیم کو تمام بنی نوع انسان تک پہنچائے تاکہ وہ زندگی میں خدا کے صحیح قانون کی پیروی کر سکے، یہ بھی درست ہے کہ عیسائی اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے سلسلے میں بعض دفعہ معقول حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ لیکن ان سب حقیقتوں کے باوجود یہ کون سی عقلمندی ہوگی کہ ہم ایک مشترکہ دشمن کے خلاف نبرد آزما ہوتے

وقت بھی انہی اختلافات کو مدِّ نظر رکھیں ؟ اگر خدانخواستہ الحاد اور مادیت پرستی کی فتح ہو جائے تو کیا اس وقت صرف عیسائی اور یہودی تباہ ہونگے اور اسلام کے پیرو محفوظ رہ جائیں گے ! ایسے نازک مرحلہ پر اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ ہم اپنے اختلافات کو بطرف رکھتے ہوئے ایک مشترکہ مقصد کی خاطر ایک عارضی مشترکہ محاذ قائم کرلیں۔ اس مشترکہ محاذ کا مفہوم یہ نہیں کہ ہم اپنی انفرادیت کھو بیٹھے ہیں۔ یا یہ کہ ہم اسلام کو صحیح اور آخری دین نہیں سمجھتے یا یہ کہ اس کی تبلیغ کی ضرورت نہیں۔ اسلام کی اشاعت کی آج بھی ویسی ہی ضرورت ہے جیسا کہ آں حضرت کے زمانہ میں تھی اور آج بھی اسی طرح ہم اہلِ کتاب کو "کلمۃ سواء" کی دعوت دیتے ہیں جس طرح کہ قرآن مجید نے دی تھی۔

اگر مضمون زیرِ بحث کا مطالعہ غور سے کیا جائے تو شاید طلوعِ اسلام کو اپنی تنقید کا جواب اسی مضمون کے ایک دوسرے حصّہ میں خود بخود مل جاتا :۔ "ما منزل علی محمد" (۴۷ : ۲) کی طرف طنزیہ اشارہ کرتے وقت شاید ان فقرات کو فراموش کر دیا گیا ہے جو "ثقافت" کے اس مضمون میں (صفحہ ۱۰) درج تھے۔

"جب اس پر بحث ہوئی کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کی باہمی دوستی میں کیا امور حائل ہیں تو مسلمانوں نے بہ یک زبان کہا کہ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ جب تک عیسائی مشنری اور مصنفین محمد رسول اللہ کا ذکر کرتے ہوئے تحقیر آمیز اور دل آزار الفاظ استعمال کرتے رہیں گے تب تک ان دو ملتوں میں رابطۂ مودت استوار نہیں ہو سکتا۔" دوسرے لفظوں میں عیسائیوں اور مسلمانوں میں باوجود کچھ قدرِ مشترک کے اس ایک اہم بات میں آج بھی اختلاف ہے اور مسلمان تمام وقتی ضرورتوں اور عارضی مصلحتوں کے باوجود اس اہم مسئلہ کو کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اگر موجودہ زمانے کے تقاضوں سے مجبور ہو کر عیسائی مسلمانوں کا اشتراک اور تعاون چاہتے ہیں تو انہیں اسلام کی انفرادی شخصیّت کو تسلیم کرنا ہوگا جو آنحضرت کی ذات ستودہ صفات پر ایمان لانے پر منحصر ہے۔ اس تصریح کے ہوتے ہوئے "طلوعِ اسلام" کی تنقید محض بے جان رہ جاتی ہے۔

اگر اجازت ہو تو آخر میں یہ عرض کیا جائے کہ تنقید کے آخری حصّہ کا ایک فقرہ کہ "..... اپنے جیسے اور حضرات کے تعاون سے جو اس قسم کی کانفرنسوں میں اسلام کے نمایندہ کی حیثیت سے اکثر شامل ہوتے رہتے ہیں ....." کہیں کسی چھپی ہوئی دلی تمنا، کسی نفسیاتی گتھن (complex) یا کسی پامال شدہ آرزو کا غماز تو نہیں ؟

ایک نکتے پر اور بھی غور کیجیے۔ مشرکوں (جن میں ہمارے نزدیک دہریے بھی شامل ہیں) کی عورتوں سے مسلمان کا نکاح جائز نہیں اور اہلِ کتاب کی عورتیں جائز ہیں (بنص قرآنی) کیا یہ بات بجائے خود اس بات کی دلیل نہیں کہ بہ نسبت مشرکوں کے اہلِ کتاب سے ہماری اقدار بہت زیادہ قریب اور مشترک ہیں ؟

بشیر احمد ڈار